تہذیب جدید کے فتنے

تحریر: شیخ علی طنطاوی، مصر
مترجم: عبدالمالک سلفی

ارحموا الشباب۔ نئی نسل پر رحم کی فریاد!

میں نے آج سے ۳۱ سال پہلے ریڈیو دمشق سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی اور خیال یہ تھا کہ مدت بیت گئی، عصری تقاضوں سے اس کی مناسبت ختم ہوگئی اور یہ موضوع ایک قصہ پارینہ بن گیا ہے۔ ایک دن اپنے لکھے گئے کالموں کی ورق گردانی میں میرا یہ پرانا کالم میرے ہاتھ لگا۔ جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ موضوع پرانا نہیں بلکہ نیا اور تازہ ہے۔ گویا گذشتہ ۳۰ سالوں سے اصلاح کی جانب ہماری ذرا بھی پیش رفت نہیں ہوئی اور ہمارے خطبے، وعظ وارشاد اور مقالات وغیرہ سبھی بیکار گئے۔ زمانہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ شاید ہزار قارئین اور سامعین میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اسے پڑھ یا سن کر اپنی اصلاح کی ہو۔ اس لئے میں سمجھتا ہو کہ اس موضوع کا فائدہ اپنی جگہ اب بھی برقرار ہے۔ الحمدللہ...... جس طرح کل اس کے مفید ہونے کی اُمید تھی، آج بھی اس کے مفید ہونے کی اُمید ویسے ہی موجود ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ اس موضوع پر بڑی طویل گفتگو ہو چکی ہیں۔ لیکن میں کیا کروں جب میں اپنے محلے میں لوگوں کو آگ میں جلتا دیکھتا ہوں اور مجھے ہر گھر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے دعوت دی لیکن کسی نے میری دعوت پر لبیک نہ کہا۔ میں نے آگ بجھانے کے لئے مدد طلب کی لیکن کوئی بھی میری مدد کو نہ پہنچا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ بس میں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہے اور اب میں جاکر سو جاؤں اور کمبل اوڑھ کر اس میں اپنا چہرہ چھپالوں؟ بے شک صحافی، منبر کے خطیب اور سکول کے ٹیچر اور ہر وہ آدمی جو اصلاح کے کام میں حصہ دار بننے کی استطاعت رکھتا ہے، کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اصلاح کے اس کام میں اپنی سرتوڑ محنت کو ہر حال میں جاری رکھے، اگرچہ اس کی یہ محنت جلد ثمر آور ثابت نہ ہو۔ اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ لوگ اکتا گئے ہیں۔

میں کوئی گلوکار تو نہیں جو لوگوں کو ہنسا کر ان کی اکتاہٹ کو دور کرنے کا سامان کروں اور نہ میں کوئی بھانڈ ہوں کہ لوگوں کو خوش کرتا پھروں ۔ میں تو ایک طبیب ہوں اور لوگوں کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ایک طبیب کے پاس ایک ہی مرض میں مبتلا ۲۰ مریض آجائیں تو کیا وہ طبیب اکتا کر اپنا کلینک بند

کردے اور ان سے کہے کہ میں تو اس مرض کا علاج کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں، جاؤ کوئی اور مرض لے کر آؤ، ورنہ میرے کلینک سے چلے جاؤ۔

ریڈیو پروگرام کے سلسلے میں میرے پاس مختلف طرح کے رسائل وخطوط آتے تھے۔ ایک دن ایک خط آیا، جس کے لکھنے والے کو میں نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس خط میں کوئی ایسی بات تحریر تھی جس سے پتہ چل سکے کہ اس کا لکھنے والا کون ہے۔ خط میں اس آدمی نے جو واقعہ تحریر کیا وہ اس قدر کربناک تھا کہ اس کی سطروں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے اور اس سے جلے ہوئے دل کی بو سونگھی جاسکتی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہیکہ وہ ایک گمنام مگر صالح اور دیندار آدمی ہے اور ایک باعزت عہدے پر فائز ہے لیکن اس کی بیٹی برے راستے پر چل نکلی اور جا کر برے لوگوں سے مل گئی۔ بالآخر وہ شرم وحیا کے پردے چاک کر کے بدنامی اور رسوائی کے گڑھے میں گر گئی اور جو بھی نوجوان لڑکی برے راستے کی راہی بنے گی، بالآخر اس کا یہی انجام ہوگا کہ وہ بدنامی اور گمراہی کی دلدل میں گر کر تباہ و برباد ہو جائے گی۔

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ اس تمام بگاڑ کا پہلا سبب ہمارے سکول، کالجز ہیں اور دوسرا سبب ہماری یونیورسٹیاں، جہاں مخلوط نظام تعلیم رائج ہے۔ اس نے سکول، کالجز اور یونیورسٹیوں کو اپنی لعن طعن کا نشانہ بنایا جو نوجوان لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر ان کے ساتھ گفتگو کا درس دے رہی ہیں اور یہی گفتگو بعد میں ایک بہت بڑے فتنے کا نقطہ آغاز ثابت ہوتی ہے۔ اس نے پورے خط میں یہی رونا رویا کہ ہمارا معاشرہ ہی نوجوان نسل کی تباہی اور بے راہ روی کا ذمہ دار ہے۔

میں نے اسی دن اس کو خط لکھا اور اس سے کہا ''میں سمجھتا ہوں کہ تو بڑا دکھی اور مصیبت زدہ آدمی ہے۔ لیکن میں اب کیا کرسکتا ہوں جب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے؟ تو نے اس وقت کیوں نہ مجھے لکھا جب معاملہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھا؟ جب گھر میں آگ بھڑک اٹھی اور رات کی تاریکی میں سیلاب آ گیا، جلنے والا جل گیا اور ڈوبنے والا ڈوب گیا تو بتاؤ اب میں کیا کرسکتا ہوں؟

جب مریض مرنے کے قریب پہنچ چکا یا موت کی آغوش میں چلا گیا تو اب ڈاکٹر کو بلا کر کیا کرو گے؟ مرض کے آغاز میں ہی طبیب کو کیوں نہ بلایا گیا، جبکہ مرض تھوڑا تھا اور شفا کی امید قوی تھی۔ میرے بھائی! اب میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ ہاں تیرے دکھ، صدمے اور مصیبت پر تیرے ساتھ تعزیت کرتا ہوں اور اس عظیم صدمے پر تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے صبر واستقامت کا سوال کرتا ہوں۔

اگر مجھ سے اس کی مصیبت اور پریشانی کا علاج نہیں ہوسکا تو بہرحال مجھے ان لوگوں کا علاج تو ضرور کرنا ہیجو ابھی تک اس حالت اور انجام سے دوچار نہیں ہوئے۔ اور جو اس گمراہی کے عمیق غار میں

گرنے کے لئے بے تاب ہیں۔

اگر مجھے اس بات کی حیا نہ ہوتی کہ میں بھی اس معاشرے کا ایک فرد ہوں یا میں اس تکلیف دہ صورت حال کو مزید تکلیف دہ نہ بنا دوں تو میں ضرور کہتا کہ اے لڑکی کے ماں اور باپ! اس کربناک صورتحال کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر لعن طعن کرنا جائز ہوتا تو تمام لوگوں سے زیادہ لعنت کے سزاوار تم تھے۔ اگر تم اپنے گھر اور اپنی بیٹی کی نگرانی کرتے اور اپنی لڑکی کے معاملہ میں غفلت و سستی نہ کرتے اور اپنی لڑکی کے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور آنے جانے پر کڑی نظر رکھتے اور اسے زرق برق اور تنگ لباس پہنا کر ننگے منہ باہر نہ نکلنے دیتے اور اسے اپنے گھر کی نوکرانیوں کے حوالے ہی نہ کر دیتے تو شاید آج تمہیں اس ذلت و رسوائی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

میں سکول کو بری الذمہ قرار دیتا ہوں، نہ معاشرے کو بے قصور سمجھتا ہوں۔ والدین، اساتذہ، صحافی اور علما اور دیگر لوگ جن کے ہاتھ میں معاشرہ کی باگ ڈور ہے، سب اپنی اپنی جگہ مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام لوگوں میں سے سب سے آخری اور ہلکی ذمہ داری اس راہ گم کردہ لڑکی پر عائد ہوتی ہے۔ بہرحال ہم بے حیائی، فحاشی اور فسق و فجور کو ہر حال میں اور ہر جگہ پر اور ہر ایک کے لئے ناپسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و عورت کے اندر جنسی خواہش کو پیدا فرمایا اور اس جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایک طریقہ کار متعین کیا جس کے اندر رہ کر مرد اور عورت اپنی جنسی پیاس بجھا سکتے ہیں اور وہ طریقہ کار شرعی نکاح کا ہے۔ جس طرح پانی نہر کے کناروں کے درمیان چلتا رہے تو ٹھیک رہتا ہے اور اس سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر نہر کا بند ٹوٹ جائے تو یہی پانی تباہی اور بربادی پھیلا دے گا کیونکہ اس نے اپنی اصل گزرگاہ کو چھوڑ دیا ہوتا ہے۔ چنانچہ نہر کا بند ٹوٹنے سے کھیتیاں غرق ہوجاتی اور فصلیں اور نسلیں برباد ہوجاتی ہیں۔ مرد اور عورت کی جنسی خواہش کو کنٹرول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور یہ نکاح ان کے جنسی جذبات کے لئے فطرتی گزرگاہ ہے اور جو فطرتی گزرگاہ اختیار نہیں کرے گا، ظاہر بات ہے وہ سرکشی اور طغیانی کا شکار ہوگا یعنی زنا کاری اور بدکاری کی دلدل میں گر جائے گا اور یہی زنا کاری پورے معاشرے کے لئے بربادی کا موجب بن جائے گی۔ (أعاذنا اللہ منہ

چنانچہ ہم نے یہی کیا، اللہ تعالیٰ کی فطرت کی مخالفت کی اور طبعی گزرگاہ کو بند کر دیا، اسے تمام حدود و قیود سے آزاد کر دیا اور شہوت کے اس سیل بلا کو اس کے بہاؤ پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسے چاہے شہروں کو برباد اور نسلوں کو تباہ کرتا پھرے۔ جب ہم نے دیکھا کہ یورپ اور امریکہ کے لوگ یہی کچھ کرتے ہیں تو ہم نے کہا

کہ یہی لوگ مہذب شہری ہیں، ہم بھی یہی کریں گے۔ چنانچہ ہم لاشعوری طور پر اپنی اسلامی تہذیب وتمدن، ثقافت اور کلچر کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوگئے۔

ہم نے نوجوان لڑکی سے کہا کہ شادی کی ابھی ضرورت نہیں ہے، شادی کے ذریعے بھی نوجوان حرام کاری میں پڑ سکتے ہیں اس لئے کہ والدین بہت زیادہ حق مہر طلب کرتے ہیں، انہوں نے اپنی بیٹیوں کو نفع بخش تجارت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ والدین نے اپنی نوجوان بیٹی کو صحیح معنوں میں شریف اور پاکدامن بنانے میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہم نے نیک فرمانبردار اور متقی آدمی کو اپنی بیٹی کا نکاح دینے سے انکار کردیا اور اپنی بیٹی کو شتر بے مہار چھوڑ دیا کہ وہ جیسے چاہے اپنی زیب وزینت اور حسن وجمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں پر اپنی خوبصورتی اور جوانی کا جادو چلاتی پھرے۔

بسا اوقات والدین محض اپنی بیٹی کی ملازمت کی تنخواہ کا طمع کرتے ہوئے اس کی شادی نہیں کرتے۔ اگر کوئی انہیں یہ کہہ دے کہ آپ کی بیٹی جوان ہے، اس کی شادی کردیں تو والدین آگے سے جھٹ کہتے ہیں کہ ہماری بیٹی ہے اور ہم اس کے بارے میں آزاد ہیں۔ ہم جب چاہیں جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں اس کی شادی کریں یا نہ کریں کسی کو کیا اعتراض ہے۔

میرے عزیز مخاطب! تو اس بارے میں آزاد نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ تیری بیٹی کوئی گائے اور بکری تو نہیں کہ تو اس کا مالک ہے، چاہے اسے فروخت کردے، چاہے اپنے پاس رکھے، بلکہ وہ بھی تیری طرح کا ایک انسان ہے۔ اللہ نے اس کی مصلحت کی خاطر تجھے اس پر وَلی اور نگران بنایا ہے تاکہ تو اسے ہر اس کام سے بچائے جو اس کے دینی اور دنیوی مفاد کے خلاف ہو۔ نکاح کے سلسلہ میں ولایت کی وہی اہمیت ہے جو گاڑی میں بریک کی ہوتی ہے، وہ گاڑی کو ایکسیڈنٹ اور شجر وحجر اور در ودیوار کے ٹکرانے سے روک لیتی ہے۔

بعض والدین نے نکاح مشکل اور زنا آسان کردیا ہے اور قربانی کا بکرا نوجوان بیٹی کو بننا پڑتا ہے۔ آوارمزاج نوجوان لڑکا اسے بہلا پھسلا کر اس سے زنا کرلیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ لڑکی حاملہ ہوجاتی ہے اور اس سے بدکاری کرنے والا لڑکا چپکے سے نکل جاتا ہے اور اس گھناؤنے جرم کی سزا اکیلی لڑکی کو بھگتنا پڑتی ہے، اب بدنامی کا دھبہ اس کی پیشانی پر لگ جاتا ہے اور معاشرہ میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اسی زانی لڑکے سے کہا جائے کہ تو اپنی گرل فرینڈ سے شادی کرلے تو وہ بھی یہ کہہ کر انکار کردے گا کہ اگر یہ میرے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کرسکتی ہے تو اس پر کیا اعتبار کہ اس نے کسی اور سے خفیہ تعلقات قائم نہ کئے ہوں۔ بالآخر نوجوان لڑکا توبہ کرلیتا ہے اور معاشرہ اس کے جرم کو

فراموش کر کے اس کی توبہ تو قبول کر لیتا ہے لیکن ستم ظریفی کہ لڑکی کے گناہ کو معاشرہ کبھی معاف نہیں کرتا۔ اب وہ نوجوان لڑکی جائے تو کہاں جائے اور نکاح کرے تو کس سے کرے کیونکہ اسے کوئی نکاح میں لینے والا نہیں ہے اور دوسری طرف زنا آسان اور شادی مشکل ہے اور پھر جوانی کی وجہ سے جنسی خواہش بھی اپنے جوبن پر ہے اور بدکاری و زنا کاری سے روکنے والا بھی کوئی نہیں ہے!!

آپ کہیں گے، کیا ہم نے شادی سے منع کیا ہے۔ جی ہاں! آپ نے ہی شادی سے منع کیا ہے۔ لیکن زبان سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے آپ نے شادی کو مشکل بنا دیا ہے۔

جنسی رغبت ۱۵ سال کی عمر میں شروع ہو جاتی ہے اور ۲۵ سال کی عمر تک اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر نوجوان اس عرصے میں شادی کرنا چاہیں تو کیسے کریں جبکہ ابھی اِن کی تعلیم باقی ہے اور اگر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ چلا جائے تو یہ عرصہ مزید لمبا ہو جائے گا۔ اب بتایئے اس دوران وہ نوجوان کیا کرے گا؟ اگر وہ شادی کرنے کا ارادہ کر بھی لے تو اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے اتنا مال کہاں سے لائے گا۔ وہ بڑی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی بچوں میں شمار ہوگا، کیونکہ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی۔ بڑا لمبا تڑنگا جوان ہے اور بڑے مہنگے کپڑے پہنتا ہے لیکن وہ کما نہیں سکتا۔ حالانکہ آج سے ۶۰ یا ۷۰ سال پہلے اس عمر کا نوجوان صاحبِ کسب اور صاحبِ اولاد ہوتا تھا۔ اگر بالفرض اس کے پاس مال بھی موجود ہو تو کیا اس کے والدین اس کی شادی کر دیں گے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ اس لئے میں یہ کہوں گا کہ اس مشکل کا سبب دراصل لڑکیوں کے والدین ہیں جنھوں نے اپنی بیٹیوں کے لئے نکاح جو کہ حلال ہے، کے علاوہ باقی تمام حرام کاموں کو آسان بنا دیا ہے۔

آج اسلامی ممالک کی حالت ہر ایک کے سامنے ہے۔ ان ممالک میں نوجوان لڑکیاں زیب و زینت سے آراستہ ہو کر گھروں سے باہر نکلتی ہیں اور لوگوں کو فتنے میں ڈالتی ہیں اور اگر ان کے والدین سے کوئی نیک فرمانبردار اور متقی آدمی نکاح طلب کرے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو کسی عربی قیدی کے ساتھ اسرائیل میں کیا جاتا ہے۔

والدین نکاح کا پیغام بھیجنے والے پر بڑے بھاری بوجھ ڈال کر، بار بار اس کے گھر میں آ کر، عمدہ کھانے تناول کر کے اور قیمتی تحفے تحائف وصول کر کے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ بالآخر وہ بیچارہ تھک جاتا اور شکست خوردہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے یا پھر وہ صبر تحمل سمیت تمام بھاری اخراجات برداشت کرتا رہتا ہے اور جو اس نے اس دن کے لئے مال جمع کیا تھا، وہ سارے کا سارا شادی سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بیچارہ نہایت غربت و افلاس یا مقروض ہو کر ازدواجی زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ پہلے دن ہی سے لڑائی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں۔اور جب گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہوجائیں تو پھر وہاں سے خیر و برکت رخصت ہوجاتی ہے اور گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

والدین نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالا اور عورتوں نے پردہ ترک کردیا۔اب صورتحال یہ ہے کہ نوجوان لڑکیاں گھروں سے میک اپ کرکے ننگے منہ اور ننگے سر باہر نکلتی ہیں اور نہایت باریک لباس پہن کر اپنے جسم کے مخصوص اعضا کی لوگوں کے سامنے برسرعام نمائش کرتی ہیں۔لیکن اگر کوئی بندۂ خدا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہے اور پیغمبر ﷺ کے اجازت کے مطابق نکاح سے پہلے اسے دیکھنا چاہے تو لڑکی کے والدین لڑکی دکھانے سے انکار کردیتے ہیں۔یاد رکھو! جو شخص شریعت کے اس حکم کو اپنے لئے باعث عار سمجھتا ہے یا اس کو معیوب قرار دیتا ہے یا اس کو اپنی شایانِ شان نہیں سمجھتا تو گویا اس نے نبی کریم ﷺ کے حکم کو ٹھکرا دیا اور ایسی چیز کو برا سمجھا جسے نبی کریم ﷺ نے مستحسن قرار دیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ گویا وہ اخلاق و کردار کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے زیادہ غیرت مند ہے تو ایسے آدمی کو اپنے دین و ایمان کی خیر منانی چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے اگر ایک چیز ہمارے لئے حرام ٹھہرائی ہے تو اس کا متبادل ہمارے لئے حلال قرار دیا ہے، جو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کا قائم مقام ہے۔اللہ تعالیٰ نے اگر زنا کو حرام کیا ہے تو اس کا نعم البدل نکاح کو حلال کیا ہے، حالانکہ جو کام شادی شدہ مرد و عورت کرتے ہیں، وہی کام زانی مرد اور عورت کرتے ہیں۔پھر نکاح کے موقع پر شادی والے گھر چراغاں کیوں کرتے ہیں؟ اور کارڈ چھپوا کر لوگوں کو شادی کی تقریب میں شرکت کی دعوت کیوں دیتے ہیں؟ لیکن زنا کا ارادہ رکھنے والا آدمی رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپا کر اپنی آشنا کو تلاش کرتا ہے کہ اسے کوئی انسان دیکھ نہ سکے۔

ان دونوں کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے کوئی آدمی ہوٹل میں گیا اور بڑے آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا اور ہوٹل والے سے کہا کہ مجھے فلاں چیز کھانے کے لئے چاہئے۔وہ ہوٹل والا اس کی خواہش کے مطابق کھانا لے آیا اس نے بڑے آرام وسکون سے وہ کھانا کھایا اور ایک وہ چور ہے جس نے ہوٹل سے کھانا چوری کرلیا، لوگ اسے بار بار کہتے رہے کہ یہ کھانا تیرے لئے حرام ہے، تیرے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے وہ جلدی جلدی گرم کھانا صحیح طرح چبائے بغیر ہی کھا جاتا ہے اور بسا اوقات گرم کھانا اس کے حلق میں پھنس جاتا ہے اور وہ اس کے سینے تک ہی رک جاتا ہے، وہ نہ ایسے کھانے سے سیر ہوتا ہے اور نہ اسے ایسا کھانا کوئی مزہ دیتا ہے۔زنا جو کہ حرام ہے، اس سے بچنے کے لئے شریعت نے نکاح کا حکم دیا، لیکن ہم نے نکاح مشکل اور زنا آسان کرلیا..... دیکھئے شریعت نے غیر محرم مرد کا غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنا حرام قرار دیا اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

''جب کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار کرتا ہے تو تیسرا ان کے درمیان شیطان ہوتا ہے''

ہمارے ہاں ایسی مغرب زدہ عورتیں بکثرت ہیں جو اپنی کہی بات کا مطلب تک نہیں جانتیں صرف اہل یورپ کی نقالی کرتیں اور ان کی زبان بولتی ہیں، اسی استدلال سے مسلح ہیں۔ انہوں نے نہ خلوص سے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، نہ اس سے کوئی خیر خواہی رکھتی ہیں۔ ایسی بیگمات کہنے لگیں: یہ کیسی رجعت پسندی ہے کہ عورت پر کیسی ناروا پابندیاں لگا دی گئی ہیں کہ وہ پردہ کرے اور چار دیواری کے اندر رہے۔

اب مغرب یہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ تم نے عورت کی آزادی سلب کر لی ہے۔ تم نے عورت کو قید کر کے اس سے دشمنی کا ثبوت دیا ہے، غرض اسی طرح کی بے ہودہ بکواس کی جاتی ہے۔ یہ مغرب کی وظیفہ خوار بیگمات ان باتوں کی حقیقت سمجھے بغیر محض رٹی رٹائی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ جو انہیں مغرب سکھاتا ہے، وہی کچھ وہ آ کر یہاں کہتی ہیں۔

ہم صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم عورت کے دشمن نہیں، بلکہ عورت کے محافظ ہیں اور ہمیں تم سے زیادہ عورت کی عزت وعظمت کا علم ہے۔ ہم عورت سے نفرت نہیں، بلکہ محبت کرتے ہیں۔ ہم عورت کو ظلم وتشدد سے بچاتے ہیں اور بدقماش اور بدکار افراد سے اسے پناہ دیتے ہیں۔ لیکن تم نے ہماری ان باتوں کی تصدیق نہ کی اور ان حقائق کو نہ سمجھا اور بھولی بھالی عورت کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ عورت نے تمہارے دھوکہ میں آ کر مخلوط نظام کو تہذیب عین سمجھ لیا۔ اب عورت پردہ سے بے نیاز ہو کر اکیلی ڈاکٹر کے کلینک میں اس کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اکیلی تاجر کے سٹور پر کام کرنے لگی، سب آنے جانے والوں سے باتیں کرنے لگی، اس کے ہاتھوں کو چھوا گیا اور گویا وہ بازاروں کی نمائش بن کر رہ گئی۔

سکولوں کالجوں میں نوجوان لڑکیاں، لڑکوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگیں۔ اس کام کی ابتدا نرسری سکول سے ہوئی۔ اس وقت ہم نے کہا کہ یہ چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں، انہیں تو خاص باتوں کا پتہ ہی نہیں۔ ہم مان لیتے ہیں کہ ایسے ہی ہوگا۔ لیکن لڑکی کی شکل صورت اور اندازِ تکلم لڑکوں کے ذہن پر نقش نہیں رہتا؟ جب وہ بڑے ہو جائیں گے، کیا انہیں بچپن کی یادیں بھول جائیں گی؟ کیا نرسری سکول میں پڑھنے والے بچے اور بچیاں بلوغت کو نہیں پہنچتے اور لوگوں سے جو کچھ وہ سنتے ہیں، کیا وہ باتیں ان کے ذہن پر نقش نہیں ہوتیں؟ فلموں اور ڈراموں میں جو بے حیائی اور فحاشی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں، کیا وہ ان کے جنسی میلان کو مہمیز نہیں دیتے؟ (جاری ہے)

آپ محدث پڑھتے ہیں تو پڑھانے والے بھی بنیں !!

اپنے دوست سے ملاقات میں محدث کا تعارف ضرور کروائیے

نمونہ کے شمارہ کے لیے ہمیں صرف ایک فون کر کے پتہ لکھوائیں یا خط ارسال کریں، آپ ۵ تک نمونے منگوا سکتے ہیں!

الدال علی الخیر کفاعلہ فرمانِ نبویؐ کے مصداق آپ اجر میں برابر کے شریک ہوں گے!!